آیت تبلیغ اور امامت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَ اللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ.

اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہاری طرف جو چیز تمہارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے اس کو اچھی طرح پہنچا دو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم نے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور اللہ لوگوں سے تمہاری حفاظت کرے گا۔ اللہ کافروں کو ہرگز راہ یاب نہیں کرے گا۔ (سورۃ المائدہ، آیت: ۶۷)

امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ چونکہ جناب رسول خدا، خلقِ خدا پر خدا کے علم اور اس کے اس دین کے امین تھے جو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا تھا امانت کا حق ادا کر گئے۔ نیز ان ہی حضرت نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خدا نے اپنے رسول کو ولایت علیؑ کا حکم دیا اور ان پر آیت ”اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ“ نازل فرمائی اور اولی الامر کی اطاعت واجب کی مگر لوگ نہیں سمجھتے تھے کہ وہ کیا چیز ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ ولایت کی تفسیر ان کے لئے ایسی ہی کر دیں جیسی کہ نماز، روزہ، اور حج، زکوٰۃ کی تفسیر کی تھی۔

جب خدا کا یہ حکم پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قدر تردد ہوا۔ ڈر یہ تھا کہ لوگ مرتد نہ ہو جائیں اور میری تکذیب نہ کریں۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ ادھر سے وحی نازل ہوئی یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ حضرت نے خدا کے حکم کی تعمیل کی۔

یوم غدیر خم، الصلوٰۃ جامعۃ پکارے جانے کا حکم دیا اور علی کو مولا مقرر فرما دیا اور لوگوں کو یہ حکم دے دیا کہ جو حاضر ہے وہ غائب کو اس امر کی خبر کر دے۔ (القرآن المبین تفسیر المتقین ص ۱۵۳۔ حمایت اہل بیت وقف ریلوے روڈ لاہور)

شیعہ مفسر سید فرمان علی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

یہ آیت غدیر خم میں حضرت علیؑ کے بارہ میں نازل ہوئی۔ اسی وجہ سے ابن مردویہ نے ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ کے زمانہ میں اس آیت کو یوں پڑھتے تھے:

یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ ان علیّا مولی الْمُؤمِنِینَ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَ اللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ.

سچ یوں ہے کہ جناب رسالت مآب ایک عرصہ سے چاہتے تھے کہ علی بن ابی طالب کو اپنا خلیفہ نامزد کردیں مگر کچھ اپنے ساتھیوں کی مخالفت کے خوف سے اس پر اقدام نہ کرتے تھے۔ آخر خدا نے آخری حج کے بعد راستہ میں یہ تاکیدی حکم نازل کیا تب تو حضرت مجبور ہوگئے اور ایک مقام پر جس کا نام غدیر خم تھا ایک لاکھ آدمیوں کے سامنے اپنا خلیفہ نامزد کیا اور پھر لوگوں نے حضرت علیؑ کی خلافت وولایت کی مبارک باد دی۔ بعض لوگوں کو یہ ولی عہدی کی خبر سن کر رنج ہوا اور رسولؐ کے پاس مباحثہ کرنے کو آئے اور آخر ان پر بجلی گری اور فی النار ہوئے اور خدا نے بھی اس کی خبر قرآن میں دے دی۔ ’’سأل سائل بعذاب واقع‘‘ (القرآن الحکیم ص۱۴۲ ترجمہ وتفسیر از سید فرمان علی مطبوعہ چاند کمپنی کشمیری بازار لاہور)

آیت اللہ خمینی آیت تبلیغ کے تحت لکھتے ہیں کہ:

یہ آیت غدیر خم کے دن حضرت علیؑ کے بارے میں نازل ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؑ کی امامت کی تبلیغ واعلان میں لوگوں سے خائف تھے اور اگر کوئی شخص کتب تاریخ وروایات کی طرف رجوع کرے تو وہ جان لے گا کہ پیغمبر کا خوف بجا تھا لیکن خدا نے انہیں حکم دیا کہ وہ امامت علیؑ کا اعلان کریں اور لوگوں سے ان کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ (کشف الاسرار ص۱۳۰)

خمینی اعتقاد کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے بعد کے لئے امام وخلیفہ کا مقرر کرنا واجب اور فرائض نبوت میں سے ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خلیفہ مقرر نہ کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فریضۂ رسالت میں کوتاہی کرنے والے ہوتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ستر دن پہلے حجۃ الوداع سے واپس لوٹتے ہوئے غدیر خم کے مقام پر اس فریضہ کی تکمیل فرمائی اور اپنے بعد کے لئے نہ صرف یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ وامام مقرر کیا بلکہ اس موقع پر موجود تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے ان کی خلافت وامامت پر بیعت بھی لی۔

موصوف اسی بحث امامت میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

ہر قانون گزار قانون کو دنیا میں جاری کرنے اور عمل کرنے کے لئے چھوڑ کر جاتا ہے نہ کہ صرف لکھنے اور پڑھنے کے لئے اور لازمی طور پر معلوم ہے کہ دینی قوانین اور خدائی احکامات صرف رسول خدا کے زمانے ہی کے لئے نہیں تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ان قوانین کا اجراء مطلوب ہے جیسا کہ واضح ہے اور ہم بعد میں اسے ثابت بھی کریں گے۔

ایسی صورت میں ضروری ہے کہ رسول خدا کے بعد کے لئے خدائے دو جہاں ان قوانین کو جاری ونافذ کرنے کے لئے ایسے شخص کو متعین کرے جو خدا اور رسول خدا کے ایک ایک فرمان کو بلاکم وکاست جانتا ہو اور خدا کے قانون کے جاری کرنے میں خطا کار، خائن، جھوٹا، ظلم پیشہ، مفاد پرست، لالچی، اقتدار پرست نہ ہو اور نہ خود احکام خداوندی کی مخالفت

کرے اور نہ کسی کو مخالفت کرنے دے۔ خدا اور دین کے راستے میں اپنے مفاد اور اپنی ذات کو ترجیح نہ دے اور ان اوصاف کا مالک رسول خدا کے بعد پوری امت میں بشہادت تاریخ واخبار علی بن ابی طالب کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔

آیت اللہ خمینی نے یہاں ''غیر از علی بن ابی طالب'' پر حسب ذیل حاشیہ بھی لکھا ہے کہ:

اس سے قبل ابوبکر وعمر کی مخالفتِ قرآن کا مختصر تذکرہ میں کر چکا ہوں جو شخص اس سلسلہ میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہے وہ فصول المہمہ کی طرف مراجعت کرے۔ (کشف الاسرار ص ۱۳۴)

آیت اللہ خمینی اپنی اس طویل عبارت میں بتا رہے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ پوری جماعتِ صحابہ اللہ اور رسول کی تعلیمات سے نا آشنا، خطا کار، غلط انداز، خائن، دروغ گو، ظلم پیشہ، مفاد پرست لالچی، اقتدار پسند، جاہ پرست، اللہ اور دین کے مقابلے میں اپنی ذات اور اپنے نفع کو ترجیح دینے والی تھی۔ موصوف کی بیان کردہ اس فہرست میں وہ کون سی اخلاقی خرابی باقی رہ گئی ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم جیسی مقدس جماعت کے سر نہیں منڈھی گئی۔

آیت اللہ خمینی اسی کتاب میں نام بنام حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو مخالف قرآن ثابت کرنے کے بعد حضرت عثمان اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

وایں طور اشخاص جاہل، بے خرد، چپاول چی ستمگر لائق امامت واولی الامری نیستند۔

''اس قسم کے جاہل، بے وقوف، بدقماش اور ظالم لوگ امامت اور اولی الامری کے لائق نہیں تھے۔'' (کشف الاسرار ص ۱۱۱)

بین الاقوامی شیعہ سکالر محمد التیجانی السماوی لکھتے ہیں کہ:

اس آیت میں وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَه کی دلالت بہت ہی واضح ہے کہ اب رسالت ختم ہو چکی ہے یا ختم ہونے والی ہے صرف ایک بہت ہی اہم امر باقی رہ گیا ہے جس کے بغیر دین کامل نہیں ہوگا اور اسی کے ساتھ آیت میں اس بات کا بھی اشارہ ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا ڈر ہے کہ اگر اس اہم امر کے لئے لوگوں سے کہا جائے تو لوگ مجھے جھٹلانے پر آمادہ ہو جائیں گے۔

لیکن اس کے باوجود خدا نے مہلت نہیں دی۔ وقت آ گیا اور یہ موقع سب سے بہترین موقع تھا کیوں کہ ایک ہفتہ سے تقریباً ایک لاکھ سے زیادہ اصحاب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا تھا اور ان کے قلوب شعائر اللہ سے بھرے تھے اور آنحضرتؐ کی زبانی ان کی موت کی پیشن گوئی سن چکے تھے کہ شاید اس سال کے بعد میں تم سے نہ مل سکوں۔ ہوسکتا ہے میرے رب کا پیغام آ جائے اور میں قبول کرلوں۔

اور اسی جگہ سے لوگ الگ الگ ہو کر اپنے اپنے وطن واپس ہو جاتے اور ہوسکتا ہے پھر اتنا بڑا مجمع اکٹھا نہ ہوسکتا جو غدیر خم میں تھا۔ لہٰذا آنحضرتؐ کو اس سے بہتر موقع نہ ملتا اور دھمکی آمیز وحی آ چکی تھی کہ پوری رسالت کا دارومدار اسی امر پر ہے اور خدا نے حفاظت کی ذمہ داری بھی لے لی تھی اس لئے اب جھٹلانے کا خوف بھی جاتا رہا اور آپؐ سے پہلے کتنے ہی انبیاء

کو جھٹلایا جا چکا ہے لیکن وہ لوگ اپنی ماموریت سے نہیں ہٹے جس کی تبلیغ کا حکم تھا اس کو پہنچا کے رہے لہٰذا رسولؐ نے بھی طے کر لیا جو بھی ہو اس حکم کو پہنچانا ہے اگر چہ خدا جانتا تھا اکثریت حق کو پسند نہیں کرتی (سورۃ زخرف ۷۸) اور اس کو علم تھا ان میں جھٹلانے والے بھی ہیں (الحاقۃ ۴۹) لیکن ان سب چیزوں کے باوجود خدا ان پر حجت تمام کیے بغیر چھوڑنے والا نہیں تھا کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ رسولوں کے بعد بھی لوگوں کی حجت خدا پر قائم ہو جائے اور خدا تو عزیز وحکیم ہے۔

("لَاَکُوْنَ مَعَ الصّٰدِقِیْنَ"۔ اردو ترجمہ: میں بھی سچوں کے ساتھ ہو جاؤں۔ص ۸۵۔۸۷)

سید مرتضیٰ حسین فاضل اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ:

اس آیت میں **ما انزل** کی اہمیت پر غور کیا جائے۔ آیت کا انداز دیکھا جائے نازل شدہ احکام میں کوئی حکم ایسا نہیں جس کی اب تک رسولؐ نے تبلیغ نہ کی ہو۔ حجۃ الوداع کے بعد واجبات وفرائض واحکام کا سلسلہ مکمل ہو گیا تھا۔ اب وہ کون سی بات تھی کہ اگر رسول اللہ وہ بات نہ کریں تو کار رسالت بے کار ہو جائے۔ اس بات کی تبلیغ کے لئے خدا حفاظت ضمانت دیتا ہے وہ مسلمانوں اور مومنوں کی ہدایت کا اہتمام اور منکروں کی طرف بے توجہی کا اعلان فرماتا ہے یعنی **ما انزل** ہدایت طلب افراد سے متعلق ہے۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور جلد ۸ ص ۱۰۰۸)

اس تفصیل سے اہل تشیع کا نکتہ نظر واضح طور پر سامنے آ گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ آیت تبلیغ ہی ان کے عقیدے کی سب سے بڑی اور قطعی دلیل ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں ان کی من گھڑت روایت کا ذکر آگے ''حدیث موالاۃ'' کے تحت آئے گا یہاں اس آیت کریمہ کے سیاق وسباق کی روشنی میں درست تفسیر مولانا امین احسن اصلاحی کے قلم سے ہدیۂ قارئین کی جا رہی ہے۔

یہ آیت تمہید ہے اس عظیم پیغام کی جو اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا جا رہا ہے کہ آپ بے کم وکاست یہود ونصاریٰ کو وہ سنا دیں۔ یہ پیغام آگے آیت ۶۸ سے ۸۶ تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں نہایت واضح طور پر ان دونوں گروہوں کو یہ بتایا گیا ہے کہ جب تک تم تورات وانجیل اور اللہ کی اس آخری کتاب قرآن کو قائم نہ کرو تمہاری کوئی دینی حیثیت نہیں ہے۔ خدا کے ساتھ کسی کو کوئی نسبت کسی گروہ سے نسبت کی بناء پر حاصل نہیں ہوتی بلکہ ایمان اور عمل صالح کی بناء پر حاصل ہوتی ہے اور اس سے تم بالکل محروم ہو چکے ہو۔ یہود نے اللہ کے میثاق کو توڑا اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی، انکو قتل کیا اور ڈھیٹ ہو کر اندھے، بہرے بن گئے۔

نصاریٰ نے مسیحؑ کی تعلیمات کے بالکل خلاف بت پرستوں کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کو اپنا دین بنا لیا اور کفر وشرک میں مبتلا ہو گئے۔ یہ پیغام بڑا اہم تھا۔ یہود ونصاریٰ دونوں کی دینی حیثیت پر یہ آخری ضرب لگائی جا رہی تھی اور عین اس وقت لگائی جا رہی تھی جبکہ وہ پورا زور اس بات کے لئے لگا رہے تھے کہ مسلمان ان کی دینی حیثیت تسلیم کر لیں۔

اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاص طور پر رسول کے لفظ سے خطاب کر کے یہ پیغام آپ کے حوالے

کیا گیا جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسول خدا کا پیغام بر ہوتا ہے اس وجہ سے یہ اس کا فرض منصبی ہے کہ خدا کی طرف سے جو کچھ اس پر اتارا جائے وہ بے کم وکاست اس کے مخاطبوں تک پہنچا دے۔ قطع نظر اس سے کہ اس پیغام سے ان کے اندر کیا ہلچل بر پا ہوتی ہے اور وہ پیغام اور پیغام بر کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں۔ **وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہ** یہ تاکید مزید ہے کہ اگر مخاطبوں کی رورعایت یا ان کے متوقع ردعمل کے اندیشہ سے اس میں کوئی کوتاہی ہوئی تو یہ کوتاہی عین اس فریضۂ منصبی کی ادائیگی میں کوتاہی ہوگی جس کی ادائیگی ہی کے لئے اللہ کسی کو اپنا رسول مقرر کرتا ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ اس تاکید مزید میں جو شدت ہے اگر چہ اس کا خطاب ظاہر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہے لیکن حقیقت میں اس کا رخ یہود ونصاریٰ کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو خطاب کرنا پسند نہیں فرمایا۔ اس وجہ سے پیغمبر کو خطاب کر کے یہ واضح فرما دیا کہ اس پیغام کی اہمیت کیا ہے؟ اور کس قطعیت اور کس حتمی فیصلہ کے ساتھ اس کا بھیجا جانا منظور ہے۔

''**وَ اللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ** '' میں ''**الناس**'' اگر چہ عام ہے لیکن قرینہ دلیل ہے کہ یہاں مراد اہل کتاب بالخصوص یہود ہیں۔ یوں تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف برابر سازشوں میں مصروف رہتے تھے لیکن آگے آنے والے اعلان کے بعد وہ کسی سمجھوتے کی توقع سے آخری درجے میں مایوس ہو کر اپنی آخری بازی بھی کھیل جانے کے لئے تیار ہو سکتے تھے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطمینان دلایا کہ تم ان کی مخالفت وعداوت کی کوئی پرواہ نہ کرو۔ ان شیاطین کے ہر شر سے خدا تمہیں محفوظ رکھے گا۔

''**ان اللّٰہ لا یھدی القوم الکفرین**'' اللہ ان کی کسی چال کو بھی تمہارے خلاف بامراد نہیں ہونے دے گا۔ **ھدی یھدی** کا لفظ ہم دوسرے مقام میں تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں کہ کسی کو اس کی کوششوں اور تدبیروں میں بامراد کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اوپر آیت ''**کُلَّمَا اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَھَا اللّٰہُ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ**'' میں یہی مضمون دوسرے الفاظ میں گذر چکا ہے۔

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰی شَیْءٍ حَتّٰی تُقِیْمُوا التَّوْرٰۃَ وَ الْاِنْجِیْلَ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ لَیَزِیْدَنَّ کَثِیْرًا مِّنْھُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ طُغْیَانًا وَّ کُفْرًا فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا وَ الصّٰبِئُوْنَ وَ النَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔ (المائدہ:۶۸۔۶۹)

یہ وہ پیغام ہے جو اہل کتاب کو، عام اس سے کہ وہ یہود ہیں یا نصاریٰ، سنانے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا۔ وہ یہ ہے کہ جب تک تم تورات، انجیل اور اس چیز کو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے قائم نہ کرو اس وقت تک تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہے۔ تم اپنے آپ کو ایک برگزیدہ امت، خدا کے محبوب اور چہیتے، برگزیدوں اور چہیتوں کی اولاد، آخرت کی سزا سے محفوظ، خداوند کا خاص گھرانہ اور معلوم نہیں کیا کیا بنائے بیٹھے ہو لیکن یہ سب جھوٹی

آرزوئیں اور خواب کی باتیں ہیں۔ جب آنکھ کھلے گی تو دیکھو گے کہ تم ہوا میں اڑتے اور خیالی محل آراستہ کرتے رہے ہو۔ (المائدہ:۶۸،۶۹۔تدبر قرآن جلد دوم ص۵۶۲۔۵۶۴)

اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اہل تشیع کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت پر آیت تبلیغ سے استدلال بالکل غلط، لغو اور باطل محض ہے۔ ویسے بھی ان کے نزدیک مسئلہ ولایت اور امامت ایک راز تھا جسے افشاء کرنا صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ امام باقر فرماتے ہیں کہ:

ولایة اللّٰـه اسرهـا الٰی جبریل و اسرها جبریل الٰی محمد ﷺ و اسرها محمد الی علی علیه السلام و اسرها علٰی الیٰ من شاء ثم انکم تذیعون ذلک'' (اصول کافی طبع لکھنو ص ۴۸۷)

ولایت الٰہی یعنی امامت کا مسئلہ اللہ نے بطور راز کے جبریل سے بیان کیا اور جبریل نے بطور راز کے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور راز کے علیؓ سے بیان کیا اور علیؓ نے بطور راز کے جس سے چاہا بیان کیا مگر تم لوگ ہو کہ اسے مشہور کررہے ہو۔

اہل تشیع نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آیت تبلیغ حجۃ الوداع سے واپسی پر غدیر خم کے مقام پر نازل ہوئی جبکہ حضرت جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ:

ثم نـزلـت الـولایة وانـمـا اتـاه ذالک فـی یوم الجمعة بعرفة...... فنزلت یاایها الرسول بلغ مآانزل الیک من ربک...... '' (اصول کافی ص ۱۷۸)

مسئلہ ولایت نازل ہوا۔ یہ جمعہ کا دن اور عرفہ کا مقام تھا۔ روایت کے آخر میں ہے کہ اس موقع پر یہ آیت یعنی آیت تبلیغ نازل ہوئی۔

اصول کافی کی پہلی روایت سے معلوم ہوا کہ عقیدہ امامت کا سخت اخفاء مطلوب ہے۔ یہ اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے اگر اس کا اخفاء مقصود تھا تو تبلیغ کیسی؟ اور اگر تبلیغ مقصود تھی تو اخفاء کیسا؟ سرکاری رازوں کا افشاء تو بالاتفاق سنگین جرم ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ آیت تبلیغ کا ولایت وامامت کے اعلان سے دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں۔ چنانچہ اصول کافی ہی کی مذکورہ بالا دوسری روایت سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ آیت تبلیغ یوم عرفہ یعنی ۹ ذی الحجہ بروز جمعۃ المبارک میدان عرفات میں نازل ہوئی تھی یہ غدیر خم کے مقام پر نازل نہیں ہوئی۔

جن سنی مؤلفین نے اپنی تالیفات میں اس آیت کے غدیر خم کے مقام پر نازل ہونے کی روایات نقل کی ہیں تو ان کے راویوں میں عطیہ عوفی وکلبی جیسے رافضی اور ابوبکر بن عیاش جیسے انتہائی غیر معتبر راوی شامل ہیں۔

جبکہ اہل سنت کی صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ آیت تبلیغ مدینہ منورہ میں رات کے وقت نازل ہوئی تھی نہ کہ میدان عرفات میں یا غدیر خم کے مقام پر دن کے وقت۔

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ترمذی وغیرہ بہت سے محدثین سے یہ روایت نقل کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کیا کرتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالا خانہ سے سر مبارک باہر نکالا اور فرمایا: کہ تم لوگ واپس چلے جاؤ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اب کسی کی پاسبانی کی ضرورت نہیں۔

معلوم ہوا کہ یہ آیت غدیرخم سے برسوں پہلے مدینہ منورہ میں بوقت شب نازل ہوئی تھی اور اس کے نزول کے وقت عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین بھی زندہ تھا۔ جس کی تائید ابن کثیر کی اس توضیح سے بھی ہوتی ہے کہ:

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے **''یایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا الیھود و النصارٰی اولیاء''** کے تحت یہودیوں سے دوستی قطع کر دی مگر ابن ابی رئیس المنافقین نے ان سے تعلق قائم رکھا اس وقت اللہ نے **''یٰـایھـا الذین اٰمنوا''** سے **''واللّٰہ یعصمک من الناس''** تک آیات نازل فرمائیں۔

اہل تشیع نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آیت تبلیغ میں **''مـا انـزل الیک''** سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ولایت و امامت ہے تو اس پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ:

''انـزل'' ماضی مجہول کا صیغہ ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امامت علی رضی اللہ عنہ کی وحی پہلے نازل ہو چکی تھی اب اس کی تبلیغ کی تاکید کی جارہی ہے جو غدیرخم کے مقام پر کی گئی۔

اگر اس دعویٰ کو صحیح تسلیم کیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں خیانت وکوتاہی کا الزام عائد ہوتا ہے کہ امامت علی رضی اللہ عنہ کی وحی پہلے نازل ہو چکی تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تبلیغ نہیں کی تھی۔

اگر بقول امام جعفر صادق آیت تبلیغ، عرفہ کے دن نازل ہوئی تھی تو یوم عرفۃ یا ایام تشریق کے دوران کسی وقت اس کی تبلیغ کیوں نہیں کی گئی؟ حالانکہ اس وقت غدیرخم کی بہ نسبت زیادہ لوگ موجود تھے۔ کیونکہ غدیرخم رابغ کے قریب الجحفہ سے دو میل جنوب میں مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے۔ غدیر تالاب کو کہتے ہیں وہ پانی جو سیلاب گذر جانے کے بعد گڑھوں میں رہ جائے خم جگہ کا نام ہے۔ الجحفہ مصر اور شام سے آنے والے حاجیوں کی میقات ہے جو رابغ سے دس میل پر مدینہ کے راستہ میں مکہ معظّمہ سے تین مرحلے اور مدینہ منورہ سے چھ مرحلے پر اور غدیرخم سے دو میل پر واقع ہے۔

ظاہر ہے کہ یہاں پہنچنے تک طائف، عرفات، منیٰ، مکہ مکرمہ اور دیگر اطراف کے شرکاء حج تو اپنے گھروں کو لوٹ چکے تھے۔ اگر آیت تبلیغ پہلے نازل ہو چکی تھی تو اس کی تبلیغ کا ایام حج سے بہتر اور کون سا موقع ہو سکتا تھا؟ انزل ماضی مجہول کے صیغے سے دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب امامت علی رضی اللہ عنہ کی وحی پہلے نازل ہو چکی تھی تو قرآن مجید میں اس کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ یہ وحی متلو نہیں بلکہ غیر متلو تھی۔ تو سخت تعجب ہے کہ امامت علی رضی اللہ

عنہ کی اطلاع تو وحی غیر متلو سے ہو لیکن اس کی تبلیغ اور اعلان کا مبہم حکم وحی متلو (قرآنی وحی) سے دیا جائے جس کی تعمیل اور مبینہ اعلان غدیرِخم کے مقام پر پھر وحی غیر متلو کے ذریعے کیا جائے۔ فیا اسفا!

آیت تبلیغ میں **ما انزل الیک** سے ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ ان الفاظ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت کا مفہوم خاص کس طرح اخذ کرلیا گیا ہے؟ جبکہ قرآن مجید میں **ما انزل الیک** کے کلمات اور بھی کئی مواقع پر موجود ہیں مثلاً سورۃ بقرۃ کے پہلے ہی رکوع میں ہے ''**والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک**'' یعنی (پرہیزگار لوگ وہ ہیں) جو اس (وحی پر بھی) ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتاری گئی اور اس پر بھی جو تجھ سے پہلے اتاری گئی۔ یہاں **ما انزل الیک** سے مراد مکمل وحی ہے۔ جہاں تک اہل تشیع کی اس بات کا تعلق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امامت علی رضی اللہ عنہ کی تبلیغ میں لوگوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہ) سے خائف تھے تو یہ نص قطعی کی تکذیب ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہ''

وہ لوگ جو اللہ کے پیغامات پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے بھی نہیں ڈرتے۔ (الاحزاب ۳۹)

اس آیت کریمہ میں واشگاف الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ:

جن اولوالعزم ہستیوں کو اللہ تعالیٰ منصب رسالت پر فائز کرتا ہے اور انہیں اپنے پیغامات پہنچانے کی ذمہ داری سونپتا ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرتے ہیں وہ اس کے سوا کسی سے بھی نہیں ڈرتے کیونکہ اگر وہ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے میں لوگوں سے خوف زدہ ہونے لگیں تو وہ رسالت ونبوت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو ہی نہیں سکتے۔

جب ہر نبی اور رسول کا یہ وصف ہے تو خود سید الانبیاء وسید الرسل محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اس وصف میں کس قدر کامل ہوں گے اس کا اندازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئیس (۲۳) سالہ نبوی زندگی سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ (جن کی شجاعت ضرب المثل ہے) فرماتے ہیں کہ:

جب گھمسان کا رن پڑتا اور لڑنے والوں کی آنکھوں میں خون اتر آتا تو اس وقت ہم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اوٹ لیا کرتے تھے اور ہم میں سے سب سے آگے دشمن کی جانب وہی ہوتے تھے۔

جنگ حنین میں دشمن نے درہ میں بیٹھ کر تیروں کی ایسی بارش برسائی کہ جس سے بارہ ہزار کا لشکر سراسیمگی کا شکار ہوگیا لیکن اس مشکل ترین گھڑی میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفید خچر پر سوار ہوکر برسرمیدان دشمن کے سامنے یہ اعلان فرمارہے تھے کہ ''**انا النبی لا کذب .**''

قاضی محمد سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں کہ:

خچر پر سوار ہونا یہ ثبات و استقلال کی دلیل ہے۔ بھاگنے والا تو تیز گام گھوڑے کو پسند کیا کرتا ہے۔سفید خچر کا انتخاب بھی مردانگی کی دلیل ہے ورنہ لڑائی میں ایسے رنگ کا جانور پسند کیا جاتا ہے جو ذرا گرد و غبار میں چھپ جائے۔فوج کی خاکی وردی کا بھی مدعا یہی ہے۔ایسے وقت میں خود بول بول کر اپنی شناخت دشمن کو کرانا اور اسی دعوے کو دہرانا جو حملہ آوروں کے کینہ وعداوت کا موجب تھا، صرف قمر نبوت ہی کا خاصہ نور پاشی ہے۔

صحیح مسلم میں اسی واقعہ کے متعلق پھر یہ الفاظ ہیں:

"نزل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن بغلتہ" نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر سے اتر پڑے۔

یہ شجاعت کی غایت الغایت ہے کہ جس شخص کے سامنے سے بارہ ہزار فوج بھاگ رہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مقابلہ کے لئے اپنی سواری آگے کو لے جار ہے ہیں اور جب اہل بیت کے دو شخص عم (حضرت عباس رضی اللہ عنہ) اور ابن العم (حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ) نے سواری کو روک لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیادہ ہوکر آگے بڑھنے کو ہیں۔

صحیحین میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

مدینہ میں ایک رات غل سا ہوا۔لوگ سمجھے چھاپہ آپڑا۔سب لوگ مل کر آبادی سے باہر اس شور کی جانب چلے۔آگے چلے تو انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوتے ہوئے ملے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار اور تلوار حمائل کیے ہوئے تھے۔یعنی آواز سن کر سب سے پہلے اور تن تنہا تفتیش کو تشریف لے گئے تھے اور ہم سے فرماتے تھے۔ **"لم تراعوا، لم تراعوا"** ڈرو نہیں، ڈرو نہیں۔

ناظرین کو بیعت العقبہ کی بنیادی ملاقات کا واقعہ تو یاد ہی ہوگا کہ شب تاریک اور منزل پُرخطر کے خوف سے ایک قافلہ پہاڑ کی گھاٹی میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتا ہے اور آبادی تک پہنچنے کی جرأت نہیں کرتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن کی جان کا دشمن، مکہ کا ایک ایک شخص تھا ایسے وقت اور ایسے مقام میں اس لئے چکر لگا رہے ہیں کہ شاید کسی گم کردۂ ضلالت کو ہدایت فرما سکیں۔

تمام دنیا کے مقابل سچے اصول کی اشاعت کے لئے کھڑے ہونا اور ایک ایسے ملک میں جہاں خون ریزی و سفاکی ہی کی حکومت تھی۔ہر ایک مذہبی ضلالت کا اعلان کرنا، کسریٰ وقیصر وحبش کے حکمرانوں اور عرب کے جنگ جو قبائل کے خشم وغضب کی پروا نہ کرنا شجاعت اور قوت قلب کا بہترین نمونہ دکھاتا ہے جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔

(سیرت رحمۃ للعالمین جلد دوم ص۳۳۲ تحت تجدت وشجاعت کا بیان)

حیرت ہے کہ ایسی شخصیت کے متعلق آیت اللہ خمینی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی تبلیغ و اعلان میں لوگوں سے خائف تھے اور اگر کوئی شخص کتب تاریخ و روایات کی طرف رجوع کرے تو وہ جان لے گا کہ پیغمبر کا خوف بجا تھا۔(کشف الاسرار ص۱۳۰)

مزید برآں سفر طائف میں عقائد اسلام، توحید، رسالت اور آخرت کی تبلیغ کرتے ہوئے دشمن کے ہاتھوں سے پتھر کھائے، زخمی ہوئے اور سخت اذیت اٹھائی، غزوہ احد میں دندان مبارک شہید ہوئے خود کی کڑیاں چہرہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں گھس گئیں مگر تبلیغ حق سے باز نہ آئے کیا امامت وخلافت علی رضی اللہ عنہ کا مسئلہ عقائد اسلام کی تبلیغ سے بھی زیادہ بڑا اور حساس مسئلہ تھا جس کے اعلان سے پیغمبر خوف محسوس کرتے تھے؟

پھر خوف بھی ان جان نثاروں سے محسوس کیا جنہیں مشرکین مکہ نے طرح طرح کی ایذائیں دیں، جنہیں حبشہ و مدینہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا، بعد میں جن پر جنگیں مسلط کیں، جنہوں نے گھر بار، بیوی بچے، مال، وطن اور جان تک کی قربانیاں پیش کیں مگر وہ دین حق پر قائم ودائم رہے آخر عقیدہ امامت ان کے لئے کیوں قابل قبول نہیں تھا؟

کیا اللہ تعالیٰ بھی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم سے خائف تھا کہ اس نے قرآن مجید میں توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد تو بار بار اور جابجا نہایت تفصیل سے بیان کیے لیکن امامت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پورے قرآن مجید میں اس نے کہیں اشارہ تک نہیں کیا۔

اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ اہل تشیع کا آیت تبلیغ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت بلافصل پر استدلال کرنا نہ صرف یہ کہ غلط اور باطل محض ہے بلکہ قرآن کریم کی معنوی ولفظی تحریف کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے **اشجع الناس** پر بزدلی اور خیانت کا الزام بھی عائد کرنا ہے۔

☆☆☆